محمد نوید *

انتظار حسین کے دو نایاب اردو اسٹیج ڈرامے

انتظار حسین (۱۹۲۳ء–۲۰۱۶ء) اُردو فکشن کا ایک معتبر نام ہے۔ اُن کا تعلق بنیادی طور پر اُردو افسانہ نگاری کی کلاسیکی روایت سے ہے اس لیے کہ اُنھوں نے اپنی علامت نگاری کا نظام قدیم داستانوں اور تاریخی و تہذیبی اساطیر سے قائم کیا جو ناقابلِ فہم اور نامانوس نہیں ہیں۔ گیارہ افسانوی مجموعوں کے علاوہ اُنھوں نے چار اُردو ناول بھی تخلیق کیے۔ چونکہ وہ ایک کثیر الجہاتی تخلیقی شخصیت کے حامل تھے لہٰذا اُنھوں نے ملک کے معروف اُردو اور انگریزی اخبارات کے لیے کالم نگاری اور ریڈیو کے لیے ریڈیائی ڈراما نگاری [1] بھی کی اور اس کے علاوہ آپ بیتی، تنقیدی مضمون نویسی اور اُردو ڈرامے کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور ہر میدان میں سُرخرو ہوئے۔ انتظار حسین نے اُردو ادب میں ایک نئے طرزِ احساس کو بیدار کیا۔ اُنھوں نے اپنے عصری مسائل کو اساطیری علامات، داستانی لب و لہجے اور تہذیبی روایات اور استعارات کے ذریعے اپنے افسانوں، ناولوں اور ڈراموں کا حصّہ بنایا۔ اُن کے موضوعات کا دائرہ اگرچہ وسعت رکھتا ہے مگر ماضی کی بازیافت اُن کا خاص موضوع ہے۔ لہٰذا اُن کے افسانوں اور ناولوں کے ساتھ ساتھ اُن کے ڈراموں میں بھی تقسیمِ ہند، ہجرت اور فسادات کے باعث در آنے والا ذہنی اضطراب اور ایک مخصوص تہذیب سے دُوری کا دُکھ اُن کا بنیادی المیہ بنتا دکھائی دیتا ہے۔ انتظار حسین کے دو اردو اسٹیج ڈراموں کے غیر مطبوعہ سکرپٹس (scripts) ''نیا گھر'' اور 'بھنور' بھی

اسی المیے کو پیش کرتے ہیں۔ یہ اسٹیج ڈرامے جدید اردو اسٹیج ڈراموں کی تاریخ کا اہم حوالہ ہیں۔

انتظار حسین کا کھیل ''نیا گھر'' ۲۴ مئی ۱۹۷۵ء کو نجمہ آرٹ سوسائٹی نے الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش کیا۔[۲] میرے پیش نظر انتظار حسین کے ہاتھ سے لکھا سکرپٹ ہے جو اے فور (A4) سائز کے ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کھیل کے صفحہ اول پر اداکاروں کے نام بھی درج ہیں، جن میں انجمن (س ن)، انور علی (جنوری ۱۹۴۵ء)، عطیہ شرف (س ن) اور ناہید (س ن) شامل ہیں۔ کھیل کے صفحہ اول اور آخری صفحے پر انتظار حسین کے دستخط کے ساتھ (24/5/75) کی تاریخ درج ہے۔

یہ کھیل چار ایکٹ (act) پر مشتمل ایک ٹریجڈی ہے۔ اس میں وقت ایک تسلسل (linear time) کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کھیل کی کہانی کا دورانیہ چند دنوں پر مشتمل ہے۔ اس کھیل میں تہذیبی المیے کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک تہذیب جو دَم توڑ رہی ہے جس سے تہذیبی قدریں متاثر ہو رہی ہیں اور ایک نئی تہذیب کے آثار بھی نمودار ہو رہے ہیں۔ اس نئی تہذیب کے اپنے رنگ ڈھنگ، اپنا ایک مزاج اور ماحول ہے۔ اس نئی فضا میں پرانی قدروں سے وابستہ ذہنوں اور نئی اقدار کی حامل نسل کا تصادم ابھرتا ہے۔ یہ تصادم خارجی سطح پر بھی ہے اور داخلی کشمکش کو بھی پیش کرتا ہے جیسا کہ اس کھیل میں نیم والی آپا، کچے مکان والی بشیراں اور تحصیلدارنی پرانی تہذیب سے وابستہ خواتین ہیں جب کہ ماجد، زاہد اور شمیم وغیرہ نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد اردو شعر و ادب میں ہجرت ایک عام موضوع رہا ہے لیکن ہجرت سے پیدا ہونے والے تہذیبی اور ذہنی المیے کو الحمرا آرٹس کونسل لاہور میں پہلی بار ''نیا گھر'' میں پیش کیا گیا، جس میں ایک تہذیب دم توڑ رہی ہے۔ اس تہذیب سے وابستہ افراد اپنی روایات، رسومات اور عقائد کو بکھرتے دیکھ رہے ہیں، جگہوں اور اشیا کے ساتھ ذہن اور عقائد و روایات بھی تبدیل ہو رہے ہیں۔ نئی اور پرانی نسل کے ذہنی ٹکراؤ سے معاشرے میں ایک تہذیبی ٹکراؤ اور ذہنی انتشار پیدا ہو رہا ہے۔

اس کھیل کا سادہ پلاٹ یوں ہے کہ ایک چپڑاسی نیم والے گھر میں ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ اس کی بیوی کو سب محلے والے 'نیم والی آپا' کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا ماجد امریکا سے وظیفے پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وہیں امریکا ہی میں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے چھوٹے بھائی

زاہد کو بھی امریکا بلوا لیتا ہے۔ زاہد امریکا سے کوئی ڈپلومہ وغیرہ کر کے واپس آ جاتا ہے۔ زاہد، نیم والا مکان چھوڑ کر ایک کوٹھی کرائے پر لیتا ہے۔ نیم والی آپا کا سب پرانا سامان ہٹا کر گھر میں نئی نئی چیزیں سجا دیتا ہے لیکن نیم والی آپا ہر نئی چیز کو ناپسند کرتے ہوئے اپنی پرانی چیزوں کو یاد کرتی ہے۔ زاہد، سوسائٹی میں اپنی پوزیشن (position) اور سٹیٹس (status) ظاہر کرنے کے چکر میں اپنی بہن کے جہیز کا سارا سامان مختلف کمروں میں سجا دیتا ہے۔ اس طرح بیٹی کی شادی کے لیے والدہ نے جو رقم ڈاکخانے میں محفوظ کی تھی، وہ بھی آہستہ آہستہ نکلوا کر گھر کی آرائش پر لگا دیتا ہے۔ نیم والی آپا کو ماجد سے بڑی امید ہے کہ وہ امریکا سے اپنی بہن کے لیے جہیز کا سامان بھیجے گا۔ باقی گھر والے بھی اسی امید پر شاہ خرچیاں کر رہے تھے لیکن ایک دن ماجد کا خط آتا ہے کہ اس نے وہاں شادی کر لی ہے اور اب اس کے حالات اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو خرچ بھیجے۔ ادھر زاہد بھی مختلف جگہ انٹرویو کے لیے جاتا ہے لیکن اسے بھی کہیں ملازمت نہیں ملتی۔ نیم والی آپا کے گھر میں کچے گھر والی، تحصیلدارنی اور بشیراں آتی جاتی ہیں۔ بشیراں کو رشتے ناطے کروانے کی لت پڑی ہے، وہ کسی کا بھی جوان بیٹا بیٹی دیکھے تو کہیں نہ کہیں رشتہ کرانے کی کوششیں شروع کر دیتی ہے۔ بشیراں، تحصیلدارنی سے نیم والی آپا کی بیٹی شمیم کے سلسلے میں بات کرتی ہے اور اسے بتاتی ہے کہ اس کا بھائی امریکا سے جہیز بھیجے گا۔ لڑکی خوبصورت، خوب سیرت اور سعادت مند ہے۔ ادھر نیم والی آپا کا بھی ذہن تیار کرتی ہے کہ تحصیلدارنی کا بیٹا ہیرا ہے۔ اس کے گھر میں جا کر، تمھاری بیٹی راج کرے گی۔ کچھ دن رشتے کی بات چلتی ہے۔ اِدھر کچے گھر والی بھی ان کی ٹوہ میں رہتی ہے کہ بشیراں رشتوں کا گٹھ جوڑ کر رہی ہے۔ کچے گھر والی، تحصیلدارنی کو بتاتی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ نیم والی آپا کے امریکا والے بیٹے نے وہاں میم سے شادی کر لی ہے اور یہاں ان کو خرچ بھیجنا بند کر دیا ہے۔ اس خبر پر تحصیلدارنی، بشیراں سے ناراض ہوتی ہے کہ تم نے مجھے بتایا نہیں ہے۔ بشیراں لاعلمی کا اظہار کرتی ہے اور تحصلیدارنی سے وعدہ کرتی ہے کہ میں آج ہی نیم والی آپا سے مل کر پوچھ لیتی ہوں کہ جہیز میں کیا کچھ دے رہی ہے۔ تمھیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ وہ ایسی ویسی نہیں اللہ نے سب کچھ دیا ہے۔ بشیراں نیم والی آپا کے گھر آتی ہے اور اسے کہتی ہے، تم لڑکی والی ہو، لڑکے والوں کے ذرا ناز نخرے ہوتے ہیں۔ جہیز کے سامان کی

لسٹ بنا کر مجھے دو تا کہ میں بات پکی کروں۔ نیم والی آپا اپنی بیٹی اور خاوند کو بلا کر سامان کی لسٹ تیار کروانے لگتی ہے لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ جہیز کا سارا سامان تو اس کے بیٹے نے گھر میں سجا لیا ہے۔ اب نہ بنک میں کچھ بچا ہے، نہ امریکا سے کچھ آئے گا۔ زاہد کی ملازمت بھی نہیں ہوئی۔ زاہد کو جب پتا چلتا ہے کہ والدہ شمیم کے جہیز کے لیے پریشان ہے تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے کہ یہ جہیز وغیرہ پرانی باتیں ہیں۔ آج کل صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی پڑھی لکھی ہو۔ ہم کوئی جہیز نہیں دیں گے۔ بشیراں خاموشی سے چلی جاتی ہے۔ اس دوران زاہد کو ایک رجسٹری موصول ہوتی ہے۔ سب خوش ہوتے ہیں کہ شاید امریکا سے آئی ہو یا زاہد کو ملازمت کی آفر آ گئی ہو لیکن زاہد بتاتا ہے کہ یہ تو گاڑی کی پرانی قسطوں کا نوٹس ہے۔ کل ہی پیسے جمع کروانے ہیں۔ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ شمیم اٹھتی ہے اور خاموشی سے اپنے جہیز کے زیورات لا کر زاہد کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ زاہد اٹھا کر لے جاتا ہے۔ سب ڈرائنگ روم سے نکل جاتے ہیں۔ صرف شمیم دیوار کے ساتھ لگی رو رہی ہے۔ اس طرح کھیل کا اختتام سوگوار ہوتا ہے۔

کھیل کے مردانہ کرداروں میں زاہد کا کردار بہت متحرک ہے۔ زاہد اپنا سٹیٹس ظاہر کرنے کی دھن میں لگا ہے۔ اس نے گھر میں موہنجوداڑو اور گندھارا آرٹ کے نمونے، تجریدی پینٹنگ، ڈائنگ ٹیبل، صوفے، ٹیلی ویژن، فریج، قالین اور بڑی سی کار خرید کر گھر کا ماحول تبدیل کر لیا ہے۔ اس کے نزدیک رشتوں سے زیادہ اہم اپنا سٹیٹس ظاہر کرنا ہے۔ وہ اپنے والد کو منع کرتا ہے کہ والدہ کو 'زاہد کی اماں' نہ کہا جائے بلکہ 'بیگم' کہہ کر پکارا جائے۔ اس طرح اپنی والدہ کو بھی منع کرتا ہے کہ وہ 'آؤٹ ڈیٹڈ محاورات نہ بولا کریں، سیدھی بات کریں، آپ نے کیا کہنا ہے۔' ماجد اپنی بہن شمیم کو تجریدی پینٹنگ لا کر دکھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ 'نئی عورت' ہے۔ زاہد اپنے چھوٹے بھائی کو 'اماں' اور 'ابا' کے الفاظ استعمال نہیں کرنے دیتا۔ اسے کہتا ہے کہ 'ممی' اور 'ڈیڈی' کہا کرو۔ اس طرح یہ نئی نسل کا نوجوان ایک تہذیبی المیے کی علامت بن جاتا ہے جو پرانی چیزوں، رسم و رواج اور رشتے ناتے ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے سب کچھ نیا چاہیے، نئے لفظ، نئے معنی، نئے نام، نئے رشتے اور استعمال کی نئی چیزیں۔ اسے وہ دوست پسند ہیں جو کافی پیتے ہیں۔ جن کے پاس کار اور بنگلہ ہے۔ وہ اپنی بہن کو جہیز

دینے کی رسم کو ایک فضول رواج سمجھتا ہے۔ ڈراما نگار نے اس کردار کے ذریعے عہد کی تبدیلی اور نئی سوچ کے عمل کو پیش کیا ہے۔

اس کھیل کے تمام نسوانی کردار روایتی قسم کے ہیں۔ نیم والی آپا پرانے محاورے بڑی روانی سے بولتی ہے۔ وہ اس نئے گھر میں خوش ہے لیکن یاد کرتی ہے کہ نیم والے گھر کی بات ہی کچھ اور تھی۔ نیم کا پیڑ برکت والا تھا۔ اسے بار بار نیم والا گھر یاد آتا ہے، جہاں اس کی شادی ہوئی، اس کے بچے پیدا ہوئے۔ وہ اب بھی گھر میں پیتل کا لوٹا رکھنا چاہتی ہے۔ اس کے گھر کی سب پرانی چیزیں ختم ہو گئیں لیکن اس کا پان دان ابھی بھی موجود ہے۔ وہ اب بھی اپنے ملنے والی سہیلیوں کو پان بنا بنا کر پیش کرتی ہے۔ وہ گھر میں ناگ منی، گندھارا آرٹ اور موہنجوداڑو کی ڈانسنگ گرل کے مجسمے کو نحوست قرار دیتی ہے۔ یہ اس معاشرے میں جہیز کی اہمیت کو سمجھتی ہے۔ جب اس کے بیٹے جہیز کا سامان استعمال کرتے ہیں تو اس کا دل خون ہو جاتا ہے۔ ماجد جب انٹرویو کے لیے جانے لگتا ہے تو وہ زبردستی بیٹے کو روک کر اس کے بازو کے ساتھ امام ضامن باندھتی ہے۔ اسے امام کے سپرد کرتے ہوئے اس کے سر پر قرآن پاک کا سایہ کرتی ہے اور اس کا ہاتھ آٹے والی تھالی میں رکھ کر رخصت کرتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد وہ کامیابی کے لیے منتیں مان رہی ہے۔ یہ کردار اپنے اندر پرانی تہذیب، اقدار، رسم و رواج اور پرانے رشتوں ناتوں کو سموئے ہوئے ہے۔ ڈراما نگار اپنی پرانی تہذیب کو اس کردار کے ذریعے پیش کر رہا ہے جو ابھی زندہ ہے لیکن اس میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔

تحصیلدارنی روایتی قسم کی لالچی خاتون ہے جو چاہتی ہے کہ اس کے گھر میں وہ بہو آئے جسے جہیز میں سب سے زیادہ سامان ملے۔ بشیراں، کچے گھر والی اور تحصیلدارنی بہت گھاگ خواتین ہیں۔ مثلاً ان تینوں کرداروں کے چند مکالمے ملاحظہ کیجیے:

> تحصیلدارنی: اے ہے تم نے تو یاں آ کے لڑنا شروع کر دیا۔
>
> بشیراں: میں تو چپ بیٹھی ہوں یہی لڑنے پہ تلی بیٹھی ہے۔
>
> کچے گھر والی: تم نے یہ کیوں کہا کہ جو بات نہیں ہوتی وہ بھی تو کہتی ہے (سنبھل کر بیٹھتی ہے) بتاؤ میں نے کیا کہا؟
>
> بشیراں: تو نے یہ کہا کہ نیم والی آپا کے گھر تو سوکھی لڑکی ہے۔

کچے گھر والی: اول تو میں نے یہ کہا نہیں۔ اور کہا بھی ہو تو کیا جھوٹ کہا۔

بشیراں: وہ باپ بھیّوں والی ہے۔ سوکھی لڑکی کیسے ہو جائے گی ۔

کچے گھر والی: خیر نائی نائی بال کتنے ججمان جی آگے ہی آتے ہیں تو اب تو بیاہ ہو ہی رہا ہے۔ پتا چل جائے گا کہ کتنا جہیز چڑھا ہے۔

بشیراں: ہاں وقت آنے دو دنیا دیکھ لے گی کہ باپ بھیّوں نے بیٹی کو کیا دیا۔

کچے گھر والی: اس وقت کیوں دنیا دیکھے بھئی قاعدہ تو یہ ہے کہ بیٹی والے پہلے بیٹے والے کو بتا دیتے ہیں کہ ہم کیا دیں گے تاکہ وقت پر جھگڑا فساد نہ ہو۔ کیوں تحصیلدارنی بوّا۔

تحصیلدارنی: بی بی لڑنا بھڑنا تو مجھے آتا نہیں۔ اور نہ میں ان میں سے ہوں جو پہلے سے شرطیں طے کرتی ہیں کہ جہیز میں یہ یہ آنا چاہیے مگر بی بی مجھے اور کیا دیکھنا رہا۔ یہی ایک بچہ ہے تو میں تو یہ چاہوں ہوں کہ میری ساری حسرتیں پوری ہوں۔

کچے گھر والی: خدا تمھارا بھلا کرے یہی میں کہہ رہی ہوں۔

بشیراں: (کھڑے ہوتے ہوئے) تحصیلدارنی بوّا جہیز کا معاملہ میں ابھی جا کے طے کرتی ہوں۔ تمھیں اتنا ملے گا کہ گھر بھر جائے گا۔ مگر ایک بات کہتی ہوں کہ تم برادری والیوں کے جھرّے میں آؤ گی تو یہ تمھارے بیٹے کی شادی کہیں نہ ہونے دیں گی۔[۳]

ڈراما نگار نے ان کرداروں کے ذریعے زبان کی تہذیبی مٹھاس کو بھی ایک اثاثے کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس ڈرامے میں یہ کردار بڑی روانی سے روزمرہ، محاورات اور ضرب المثل میں بات کرتے ہیں۔ مثلاً ’’عید کا چاند ہونا‘‘، ’’ہاتھ کا میل‘‘، ’’کیا سوکھی کیا گیلی‘‘، ’’چاند چڑھے کل عالم دیکھے‘‘، ’’سر کے بال سفید ہونا‘‘، ’’بات بات پر زبان پکڑنا‘‘، ’’ایک کی سو سو بننا‘‘، ’’اللہ اللہ کرنا‘‘، ’’چندرا چندرا کے باتیں کرنا‘‘، ’’گھی دودھ دنیا سے اڑنا‘‘، ’’ناک پہ مکھی نہ بیٹھنے دینا‘‘، ’’عرشِ معلیٰ پر دماغ ہونا‘‘، ’’بیری والے گھر اینٹیں آنا‘‘، ’’سر میں لال ٹانکنا‘‘، ’’سو میں ایک ہونا‘‘، ’’مزاج درست کرنا‘‘، ’’پانی پھر جانا‘‘، ’’سالن میٹھا میٹھا لگنا‘‘، ’’آلتی پالتی مار بیٹھنا‘‘، ’’چٹے طوفان باندھنا‘‘، ’’دماغ کا کیڑا بلبلانا‘‘، ’’چھوئی موئی ہونا‘‘، ’’اوچھے کے گھر تیتر باہر رکھوں کہ بھیتر‘‘ (مثل)، ’’کیڑے نکالنا‘‘، ’’ہوش کی دوا لینا‘‘، ’’ٹوہ لینا‘‘، ’’جمع خاطر رکھنا‘‘، ’’آدمی آخر آدمی ہے‘‘، ’’سوئی کا بھالا بنانا‘‘، ’’نائی نائی بال کتنے ججمان جی آگے

ہی آتے ہیں'' (مثل) اور ''جھرّے میں آنا''، جیسی عمدہ زبان پیش کرنا اُردو زبان کا شاندار سرمایہ ہے۔ جس زمانے میں یہ کھیل پیش ہوا، اس دور میں سکرپٹ کمیٹی بھی بہت متحرک تھی۔ کھیل کو فنی اور فکری حوالے سے تو دیکھا ہی جاتا تھا مگر لسانی حوالے کی بھی بہت اہمیت تھی۔ ڈراما نگار اگر کہیں کوئی سخت لفظ لکھ دیتا تو اسے الحمرا آرٹس کونسل لاہور کی سکرپٹ کمیٹی تبدیل کروائے بغیر سکرپٹ منظور نہیں کرتی تھی۔ انتظار حسین نے اپنے سکرپٹ میں ایک جگہ کوئی سخت لفظ استعمال کیا تو انھیں سکرپٹ واپس کر دیا گیا اور تبدیلی کے بعد یہ کھیل پیش کیا گیا۔[۴]

اس کھیل میں دو سیٹ استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے، دوسرے اور چوتھے ایکٹ میں ماجد کے نئے مکان کا سیٹ لگایا گیا ہے جو کوٹھی کا ایک کشادہ کمرا ہے۔ پہلے ایکٹ میں اس کمرے کے اندر سامان بے ترتیبی سے پڑا ہے، دوسرے اور چوتھے ایکٹ میں یہ کمرا تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ اس کے اندر آہستہ آہستہ، صوفے، ڈائنگ ٹیبل، تجریدی پینٹنگ، مجسمے، قالین، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈر، فریج جیسا سامان جمع ہو جاتا ہے۔ ایکٹ نمبر تین میں دوسرا سیٹ استعمال ہوا ہے جو تحصیلدارنی کے گھر کا ایک چھوٹا سا کمرا ہے جس میں عام سی چیزیں ہیں مگر بہت سلیقے اور قرینے سے سجی ہوئی ہیں۔

فنی اور فکری حوالے سے یہ بہت جامع کھیل ہے۔ اس میں تہذیبی المیے کو بڑے منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔ الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش ہونے والے کھیلوں میں یہ کھیل اپنے موضوعاتی، فکری اور لسانی حوالے سے بہت انفرادیت رکھتا ہے کیونکہ ڈراما نگار نے جہاں بدلتی ہوئی تہذیب کے عمل کو پیش کیا وہاں زبان کی تبدیلی کے عمل کو بھی پیش کیا ہے۔ یہ کھیل لسانیاتی اور موضوعاتی حوالے سے اردو اسٹیج ڈرامے کی روایت میں ایک اہم اضافہ ہے۔

انتظار حسین کا دوسرا کھیل ''بھنور'' ہے۔ جو ابسن (Henrik Ibsen) کے کھیل ''The Wild Duck'' سے ماخوذ ہے۔ ابسن نارویجن جدید ڈراما نگار، شاعر اور ڈائریکٹر تھا۔ وہ ۲۰ مارچ ۱۸۲۸ء کو پیدا ہوا اور ۲۳ مئی ۱۹۰۶ء کو وفات پائی۔ اس کا شمار تھیٹر میں جدتیں پیدا کرنے والے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ابسن کو ڈراما نگاری میں حقیقت نگاری کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ یورپ میں شیکسپیئر کے بعد اسے بلند مقام حاصل ہے۔ انیسویں صدی میں ابسن نے بہت مقبولیت پائی۔ اس کا کھیل ''گڑیا کا

گھر'' بیسویں صدی میں دنیا بھر میں مقبول ہوا۔[۵]

میرے پیش نظر انتظار حسین کے ہاتھ کا لکھا ہوا جہازی سائز کے ۸۹ صفحات پر مشتمل سکرپٹ ہے، جو مئی ۱۹۹۳ء میں سلمان شاہد (۱۰ جنوری ۱۹۵۲ء) کی ہدایات میں الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش کیا گیا۔ یہ کھیل چار ایکٹ پر مشتمل ہے۔ اس کھیل میں کل آٹھ کردار، سیٹھ، جاوید (سیٹھ کا بیٹا)، مراد علی (سیٹھ کا دوست)، اطہر (مراد کا بیٹا)، پروفیسر، ڈاکٹر، نجمہ (اطہر کی بیوی)، منی (نجمہ کی بیٹی) اور زرینہ (سیٹھ کی ہونے والی بیوی) شامل ہیں۔

یہ کھیل پانچ مناظر پر مشتمل ہے۔ پہلے اور چوتھے منظر میں شام کا وقت ہے۔ دوسرے اور پانچویں منظر میں رات کا اور تیسرا منظر صبح کے وقت پیش ہوا ہے۔ اس طرح اس کھیل کی کہانی تقریباً ۳۶ گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ کھیل کا پلاٹ مخلوط ہے، جس میں کچھ واقعات پہلے ہو چکے ہیں لیکن ان کی تفصیلات کا بعد میں علم ہوتا ہے۔ ڈراما نگار نے کرداروں کے داخلی اور خارجی تصادم کو بڑی مہارت سے ابھارا ہے۔ جاوید کا اپنے باپ (سیٹھ) سے تصادم ہے۔ کیونکہ وہ اپنی والدہ کی موت کا ذمہ دار اسے سمجھتا ہے۔ سیٹھ نے اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری خواتین سے ناجائز تعلقات بنائے، اس وجہ سے سیٹھ کی پہلی بیوی اور بیٹا اس کی شفقت سے محروم رہے۔ جاوید اپنی یہی نفرت اطہر میں بھر دیتا ہے۔ اطہر کا اپنی بیوی، سیٹھ اور بیٹی سے تصادم ہے۔ خارجی تصادم کے علاوہ یہ سب کردار بری طرح داخلی تصادم کا شکار بھی ہیں۔ ہر کردار اپنے کسی نہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہے۔ ڈراما نگار نے کرداروں کی نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی کرب کو دور کرنے کے لیے قربانی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ انتظار حسین کے کھیل 'بھنور'' میں قربانی کی مختلف صورتوں کو پیش کرتے ہوئے کرداروں کو روحانی سکون پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ جب نفسیاتی امراض بڑھ جائیں تو بعض افراد جرم کا راستہ اختیار کرتے ہوئے وحشت اور درندگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ نفسیاتی امراض کے تحت ہونے والے مختلف جرائم، جن میں قتل یا خودکشی جیسا ناقابل معافی جرم بھی شامل ہے۔ جیسے منی اپنی جان قربان (خودکشی) کر دیتی ہے، جس سے اطہر کا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بیٹی کی محبت غالب آ جاتی ہے حالانکہ وہ اس کی بیٹی نہیں بلکہ سیٹھ کی ناجائز اولاد ہے لیکن اس کی پرورش اطہر نے کی ہے۔

اس کھیل کا پلاٹ یوں ہے کہ سیٹھ اور مراد علی دونوں مل کر کاروبار کرتے تھے۔ سیٹھ نے دھوکے بازی سے سارا کاروبار خود سنبھال لیا اور مراد علی کے حصے میں صرف غربت آئی۔ سیٹھ کا ایک بیٹا جاوید ہے، جو پندرہ سال سے ناراض ہو کر سیٹھ کے گھر سے نکل گیا تھا۔ پندرہ سال بعد واپس آ کر اپنے دوست اطہر سے ملتا ہے۔ اطہر اسے بتاتا ہے کہ سیٹھ تو بہت اچھا آدمی ہے۔ اس نے اپنی سیکریٹری نجمہ سے میری شادی کرا دی ہے اور میری ایک بیٹی بھی ہے۔ جاوید بہت حیران ہوتا ہے۔ جاوید کو یقین نہیں آتا کہ اس کا باپ ایسا نیک کام کرے گا کیونکہ سیٹھ کے تو نجمہ کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ جب سیٹھ سے جاوید کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے بتاتا ہے کہ گھر میں ایک پارٹی ہو رہی ہے، جو تمھاری آمد پر رکھی گئی ہے۔ پھر اسے بتاتا ہے کہ میں اپنی نئی سیکریٹری زرینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر تم اجازت دیتے ہو تو میں شادی کر لیتا ہوں۔ جاوید اجازت دے دیتا ہے۔

جاوید گھر کی دعوت سے جلد ہی بیزار ہو کر اطہر کے گھر میں آ جاتا ہے، جہاں اس کی ملاقات نجمہ، اطہر، نجمہ کی بیٹی اور اطہر کے باپ مراد علی سے ہوتی ہے۔ مراد علی ریٹائرڈ میجر ہے، جو شکار کا بہت شوقین ہے۔ مراد علی نے گھر میں پرندے اور جانور رکھے ہوئے ہیں، جو اس کی کل کائنات ہے۔ اطہر فوٹو گرافر ہے۔ گھر کا ہی ایک کمرا اسٹوڈیو کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جاوید اطہر کو بتاتا ہے کہ میں اپنے گھر میں نہیں جانا چاہتا، کیونکہ میرا ضمیر یہ گوارا نہیں کرتا کہ میں اپنے ''فراڈ باپ'' کے ساتھ رہوں یا اس کی کوئی بھی چیز استعمال کروں۔ نجمہ اور اطہر اسے سمجھاتے ہیں کہ یہ بد دماغی کی باتیں نہ کرو۔ بہرحال جاوید اطہر کے گھر میں ایک کمرا کرائے پر لے کر ان کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔ نجمہ کی بیٹی منی جاوید کو ایک مرغابی دکھاتی ہے، جس سے وہ بہت پیار کرتی ہے۔ مراد علی اس مرغابی کے بارے میں بتاتا ہے یہ سیٹھ غنی کی طرف سے ملی ہے۔

جاوید اپنے دوست اطہر کے گھر میں آ کر بھی خوش نہیں ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اپنے کسی داخلی کرب کی وجہ سے بیزار اور پریشان ہے۔ جاوید اپنے کمرے سے نکل کر اطہر کے پاس آ جاتا ہے۔ پھر دونوں باہر چلے جاتے ہیں۔ اس دوران جاوید اسے بتاتا ہے کہ نجمہ اور سیٹھ کے ناجائز تعلقات تھے، جس کے نتیجے میں بیٹی (منی) پیدا ہوئی۔ اس لیے اب سیٹھ اس گھر پر مہربان ہے اور کوئی

نہ کوئی بہانہ کر کے اس گھر کی مالی امداد کرتا رہتا ہے تا کہ اس کی بچی کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

اطہر واپس گھر آتا ہے تو ہنگامہ کھڑا کر دیتا ہے۔ نجمہ سے لڑتا جھگڑتا ہے اور منی کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ پھر ناراض ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے۔ ادھر جاوید بھی واپس آ جاتا ہے اور ڈاکٹر سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ ڈاکٹر بھی اسی گھر کا کرایہ دار ہے۔ ڈاکٹر بتاتا ہے کہ مرادعلی ذہنی مریض ہے اور میں اس کا علاج کر رہا ہوں۔ اس نے گھر میں جنگل بنایا ہوا ہے۔ وہ یہاں پر شکار کر کے اپنے آپ کو خوش کر لیتا ہے۔ اطہر کے حوالے سے بتاتا ہے یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس طرح اطہر کا گھر برباد ہو جائے گا۔ جاوید کہتا ہے کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ اطہر ایک نئے ازدواجی رشتے کی بنیاد رکھے تا کہ اس کا ضمیر پر سکون رہے۔ پھر جاوید کی ملاقات منی سے ہوتی ہے۔ جاوید منی سے کہتا ہے اگر تم اپنے باپ کو خوش کرنا چاہتی ہو تو اپنی سب سے پیاری چیز مرغابی قربان کر دو، کیونکہ یہ سیٹھ غنی سے ملی ہے اور اطہر کو سیٹھ کی طرف سے ملی ہوئی ہر چیز سے نفرت ہے۔ منی احاطے میں جاتی ہے اور پستول سے خود کو ہلاک کر لیتی ہے۔ جب اطہر کو پتا چلتا ہے تو وہ بیٹی کی محبت میں پاگل ہو جاتا ہے اور اس کی لاش احاطے سے اٹھا کر اندر لے آتا ہے۔ اطہر ڈاکٹر سے کہتا ہے کہ اس ننھی جان کی قربانی نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر بتاتا ہے کہ موت کو دیکھ کر کچھ لوگوں کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اطہر کا ضمیر بھی بیدار ہو گیا ہے۔ اب وہ ایک نارمل زندگی گذارے گا اور منی کی موت آہستہ آہستہ اس کی بھولی بسری یاد بن جائے گی۔

انتظار حسین کا شمار اردو ادب کے بڑے تخلیق کاروں میں ہوتا ہے۔ اس کھیل میں ان کے تخلیقی جوہر کھل کر سامنے آئے ہیں۔ کردار نگاری بہت جاندار ہے۔ تمام کردار ایک داخلی کرب میں مبتلا ہیں۔ بظاہر چلتے پھرتے باتیں کرتے، کھاتے پیتے مگر اندر سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ذہنی مریض ہیں۔ سب کردار جھوٹے رشتوں کو جوڑے ہوئے ہیں۔ کرداروں کے آپس میں جھوٹے رشتوں کے علاوہ جانداروں اور دیگر اشیا سے بھی جھوٹے رشتے ہیں۔ کھیل کا مرکزی کردار جاوید ان جھوٹے رشتوں کو ختم کر کے زندگی کی بنیادیں سچے رشتوں پر رکھنا چاہتا ہے۔ مرادعلی جوانی میں شکاری تھا۔ بڑھاپے میں شکار کا شوق پورا کرنے کے لیے وہ ایک زخمی مرغابی کو گھر لے آتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

یہاں انتظار حسین نے اپنے ہجرت کے تجربے کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ مثلاً مراد علی اور اطہر کے درمیان مرغابی کے حوالے سے ہونے والے کچھ مکالمے ملاحظہ کیجیے:

اطہر: اور آپ کے مہمان کا کیا حال رہا۔

مراد علی: (خوش ہو کر) ہاں ہاں۔ اب ٹھیک ہے۔ اپنے نئے گھر میں مانوس ہو گئی ہے۔

اطہر: اچھا؟

مراد علی: ہاں ابھی میں نے جھانک کر دیکھا۔ اپنے خانے میں ہے۔ مزے سے بسیرے میں ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ نئی جگہ ہے۔ اس لیے بے آرام ہے۔ رفتہ رفتہ مانوس ہو جائے گی۔ مگر ابھی تھوڑا اور بندوبست کرنا پڑے گا۔[٦]

مراد علی کی جوانی جنگلوں میں شکار کھیلتے گذری۔ اسے اپنے ماضی سے بہت پیار ہے گاہے بگاہے وہ اپنے ماضی کو یاد کرتا رہتا ہے۔ وقت کے نشیب و فراز نے اسے مفلوج اور اپاہج کر دیا ہے۔ لیکن وہ اپنے ماضی کو اپنے دل اور دماغ میں زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ماضی کی اس کھوج میں جاوید بھی لگا رہتا ہے۔ مراد علی سے ملاقات پر جاوید اسے ماضی کی یادوں میں یوں لے جاتا ہے:

جاوید: (قریب جا کر سلام کرتا ہے) انکل میں آپ کے لیے پیغام لے کر آیا ہوں۔

مراد علی: پیغام۔ کیسا پیغام۔ کس کی طرف سے؟

جاوید: آپ کی چھوڑی ہوئی شکار گاہوں کی طرف سے۔ ہزارہ کی شکار گاہیں آپ کو یاد کرتی ہیں۔

مراد علی: (ٹھنڈا سانس بھر کر) ہاں بیٹا، اپنا وہ بھی زمانہ تھا۔ میں نے اس علاقے کا ایک ایک چپہ دیکھا ہے۔ سارے جنگل کھنگال ڈالے تھے۔ بہت شکار کھیلا ہے وہاں (رُک کر) میں نے وہاں شیر کا بھی شکار کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک ریچھ میری زد میں آ گیا۔ بہت شکار کھیلا ہے۔ کیا حال ہے ان جنگلوں کا۔

جاوید: جنگل اب اتنے گھنے نہیں رہے۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے ایک مرتبہ آپ کے وہاں ہوتے ہوئے بسیرا کیا تھا۔ آپ کے ساتھ شکار پہ گیا تھا۔ کیسا گھنا جنگل تھا جیسے رات ہو گئی ہو۔ اب وہ جنگل اتنا گھنا نہیں رہا۔

مراد علی: یہ کیسے ہوا؟

جاوید: درخت بہت کٹ گئے ۔جنگل اب چھدرے چھدرے نظر آتے ہیں۔

مرادعلی : درخت کٹ گئے (تشویش سے) یہ بہت غلط کام ہوا۔خطرناک جنگل اپنا انتقام لیتے ہیں۔

جاوید: ہاں یہ اچھا نہیں ہوا (رُک کر) انکل آپ کیسے گذارا کرتے ہیں۔اس فضا میں آپ کا دم نہیں اُلٹتا۔ بور نہیں ہوتے آپ؟

مرادعلی : (تعجب سے) کیوں۔کیسی فضا ہے یہ؟

جاوید: میرا مطلب ہے آپ نے آزادانہ ماحول میں زندگی گذاری ہے۔جنگل، کھلی فضا، ٹھنڈی تازہ ہوا، اور شکار ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھا، تیتر، قاز، مرغابی—۔[۷]

جاوید ایک طرف ماضی کی باتوں میں لگا ہے دوسری طرف نئے آبادیاتی نظام کے تحت سبز جنگلوں کے گھنے درختوں کے کٹ جانے پر اظہار افسوس کر رہاہے۔شہر ترقی کرتے گئے لوگوں نے شہروں کی طرف ہجرت کی اور شہر کی آبادیاں پھیلنے لگیں۔جنگل کٹنے لگے۔درختوں کے ساتھ چرند پرند بھی مرنے لگے۔ یہاں انتظار حسین نے اپنے عہد کی خارجی تبدیلیوں کے ذہنی اثرات کو محسوس کرتے ہوئے تبدیلی کے عمل کو بیان کیا ہے۔

جاوید، مرادعلی کا نفسیاتی علاج کرنے کی کوشش کر رہاہے۔جاوید اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اور روحانی سکون پانے کے لیے اذیت، کرب اور قربانی ضروری ہے۔ جاوید بار بار اپنے کسی خفیہ پروجیکٹ کی بات کرتا ہے۔اس کا پروجیکٹ یہی ہے کہ وہ خود ذہنی اور روحانی سکون چاہتاہے اور دوسروں کو یہ سکون دینا چاہتا ہے۔ جاوید کے نزدیک معاشرے کے تمام افراد ضمیر کے مرض میں مبتلا ہیں۔لیکن جب تک ضمیر کی آواز پر لبیک نہ کہا جائے زندگی میں سکون نہیں ملتا۔ جاوید چاہتا ہے کہ لوگوں کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرے۔ جاوید پندرہ سال بعد اطہر سے ملاقات کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کا ضمیر بھی سویا ہوا ہے۔ اطہر ایک مردہ زندگی گذار رہاہے۔ وہ اطہر کے ضمیر کو بیدار کرنے میں اس کی مدد کرتاہے۔ جاوید کی باتیں سننے کے بعد اطہر کے رویے میں ایک دم تبدیلی آ جاتی ہے۔ وہ سیٹھ سے ملنے والی ہر چیز سے انکار کر دیتاہے۔ اپنے گھر میں سیٹھ جیسے بدکردار شخص کا ذکر تک نہیں سننا چاہتا۔ اسے اپنی بیوی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی معصوم بیٹی کو اپنانے سے بھی انکار کر

دیتا ہے کیونکہ اصل میں یہ سیٹھ کی بیٹی ہے لیکن پرورش اطہر نے کی ہے۔ بیٹی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ وہ تو اطہر کو ہی اپنا باپ تسلیم کرتی ہے اور اس کی خوشی کے لیے اپنی جان کی قربانی دے دیتی ہے۔ یہ قربانی اطہر کے اندر چھپی ہوئی بیوی اور بیٹی کی محبت کو پھر سے بیدار کر دیتی ہے۔ پھر اطہر بیوی اور بیٹی سے والہانہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ سچی محبت ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، کوئی غرض، کوئی مطلب نہیں بے لوث محبت ہے۔

اس کھیل کا ایک ثانوی کردار زرینہ ہے، جو بڑی سمجھدار خاتون ہے۔ وہ سیٹھ سے شادی کرنا چاہتی ہے کیونکہ سیٹھ اب بوڑھا ہو گیا ہے اور جلد مر جائے گا، اس کے بعد وہ اس کی دولت پر قبضہ کر لے گی۔ لیکن زرینہ نے سیٹھ کو اپنے بارے میں سب صاف صاف بتا دیا کہ وہ پہلے کس کس سے وابستہ رہی ہے۔ سیٹھ اس کے بارے میں سب جانتا ہے۔ اس سچائی کی وجہ سے زرینہ اپنی نئی زندگی کے آغاز پر خوش اور مطمئن ہے۔ اس کا ضمیر مطمئن ہے۔ کھیل میں کرداروں کے مکالمے ٹھوس اور بہت جامع ہونے کے ساتھ، سہ معنی اور فلسفیانہ ہیں۔ مگر انداز بیان اور اسلوب میں الجھاؤ نہیں ہے اور نہ وحدت تاثر میں کمی آتی ہے۔

کھیل کے پانچوں مناظر ایک ہی سیٹ پر پیش ہوئے۔ اطہر کے گھر کا سیٹ ہے۔ یہ ایک بڑا کمرا ہے، جس کے ایک گوشے میں اسٹینڈ پر لائٹس اور سٹل کیمرا لگا ہوا ہے۔ اِدھر اُدھر ایسا سامان بکھرا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی اسٹوڈیو کا کمرا ہے۔ کمرے میں ایک طرف صوفہ، کرسیاں اور میز پر کچھ تصویریں، نیگٹو، قینچی اور چھوٹی چھوٹی چیزیں پڑی ہیں۔ یہی کمرا ڈائنگ روم کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ کمرے کے عقب میں ایک دروازہ احاطے میں کھلتا ہے، جہاں سے کبھی کبھی پرندوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کمرے کے دائیں بائیں دو دروازے نظر آتے ہیں۔ ایک دروازہ سامنے برآمدے میں کھلتا ہے۔ باہر سے آنے والے کردار یہی دروازہ استعمال کرتے ہیں۔ اس دروازے پر گھنٹی بھی لگی ہے۔ ہر منظر پر اسی کمرے کو تھوڑا سا تبدیل کر لیا جاتا ہے لیکن ہر منظر میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کمرا اسٹوڈیو بھی ہے اور ڈائنگ روم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ ایک جامع سکرپٹ ہے۔ الحمرا لاہور آرٹس کونسل کے اردو اسٹیج ڈراموں کی تاریخ میں

ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ کھیل فنی وفکری اعتبار سے اس قدر پختہ اور جامع ہے کہ ماخوذ ڈراموں کے حوالے سے ہمیشہ اردو اسٹیج ڈرامے کی تاریخ میں زندہ رہے گا۔

انتظار حسین کے ان ڈراموں میں مرد کردار جدید دور کے انسانوں کی زندگی کے المیے لیے ہوئے سامنے آتے ہیں جو جدید دور میں اپنے عہد کے مختلف تہذیبی اور تاریخی المیوں کا شکار ہیں جس سے ان کے داخلی کرب، نفسیاتی اذیتوں اور ذہنی الجھنوں میں پھنسے ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ انتظار حسین کے ان کرداروں میں ہجرت کے تجربات تخلیقی سطح پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان کے کھیل ’’بھنور‘‘ میں اگر چہ ذہنی سکون کے لیے قربانی کا راستہ پیش ہوا ہے لیکن یہاں بھی جگہ جگہ ہجرت کے اثرات نظر آتے ہیں کبھی مرغابی کے نئے گھر کی صورت میں اور کبھی ہجرت کی قربانی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ کردار ہجرت سے پیدا ہونے والے تہذیبی اور ذہنی المیے بیان کرنے کے لیے ’’نیا گھر‘‘ میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہ کردار ایک طرف اس تہذیب سے وابستہ ہیں جو تہذیب دم توڑ رہی ہے، اس تہذیب سے وابستہ کرداروں میں روایات، رسومات اور عقائد کے ٹوٹنے سے ایک کرب دکھائی دیتا ہے۔ دوسری طرف یہ کردار نئی جگہوں، نئی اشیا اور نئے عقائد و روایات سے خوف زدہ ہیں۔ یہ کردار بار بار اپنے ماضی کی طرف بھاگتے نظر آتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

* وزٹنگ فیکلٹی، شعبۂ اردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور۔

۱۔ محمد کامل نے اپنے مضمون ’’اُردو میں ریڈیو ڈراما، آغاز و ارتقا‘‘، مشمولہ اردو ریسرچ جنرل نئی دہلی (یکم جولائی ۲۰۱۵ء) میں صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:

> انتظار حسین آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے وابستہ ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ ان کے ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ دل سے قریب ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے ریڈیو ڈراموں میں ’’خرد کا نام جنوں‘‘ اور ’’سائبان کے نیچے‘‘ بہت مقبول ہوئے۔

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور کی شائع کردہ کتب میں اس عنوان کے تحت انتظار حسین کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔

۲۔ انتظار حسین کا ناول تذکرہ سنگ میل لاہور نے ۲۰۰۲ء میں نیا گھر کے عنوان سے شائع کیا۔ مذکورہ کھیل اسی ناول کی ابتدائی کڑی ہے۔

۳۔ انتظار حسین، ’’نیا گھر‘‘، قلمی مسودہ (لاہور: مخزونہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری، ۲۴ مئی ۱۹۷۵ء)، ص ۴۵۔

۴۔ انتظار حسین نے اپنے اس سکرپٹ کے صفحہ نمبر ۲۷ پر بشیراں کا ایک مکالمہ کچے گھر والی کے حوالے سے یوں لکھا: ''میں اس حرامی کو خوب جانتی ہوں۔'' الحمرا آرٹس کونسل لاہور کی سکرپٹ کمیٹی نے اس پر دائرہ لگا دیا اور لکھا'' Typul '' یعنی اسے تبدیل کریں، آپ یہ نہیں لکھ سکتے۔

۵۔ ابسن کے حوالے سے درج معلومات اس ویب سائٹ سے لی گئی ہیں (۲۰۱۶ء۔۱۰۔۲۹):

http://en.wikipedia.org/wiki/Henrik_Ibsen

۶۔ انتظار حسین ،'جھنور'، قلمی مسودہ (لاہور: مخزونہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری ، مئی ۱۹۹۳ء)، ص ۱۶۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۲۔

مآخذ

حسین، انتظار۔ ''نیا گھر'' ۔قلمی مسودہ۔ لاہور: مخزونہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری (۲۴ مئی ۱۹۷۵ء)۔

_____۔نیا گھر (تذکرہ)۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔

_____۔'جھنور''۔ قلمی مسودہ۔ لاہور: مخزونہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری (مئی ۱۹۹۳ء)۔

کامل، محمد۔ '' اردو میں ریڈیو ڈراما: آغاز وارتقا''۔ مشمولہ اردو ریسرچ جنرل نئی دہلی (یکم جولائی ۲۰۱۵ء)۔

برقی ماخذ

http://en.wikipedia.org/wiki/Henrik_Ibsen(۲۰۱۶ء۔۱۰۔۲۹)